پنجاب میں عربی اور دینی علوم

ڈاکٹر محمد طفیل

پنجاب کو تہذیبی اور ثقافتی نقطہ نظر سے بہت ہی بلند مقام حاصل رہا ہے کیونکہ بعض مورخین کا اندازہ ہے کہ سب سے پہلا انسان پنجاب میں دریائے سوان کے کنارے آباد ہوا تھا ۔ (۱) بعض علماء کے اندازے کیمطابق پہلے یا دوسرے یونانی دور میں انسان اس خطہ میں آباد ہو گیا تھا ۔ اسکے بعد سے اس خطہ میں مسلسل آبادی اور تہذیب و ثقافت کا دور دورہ رہا ۔ ٹیکسلا اور ہڑپہ کی کھدائی میں ملنے والے آثار سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پنجاب زمانہ قدیم سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے ۔ اسی طرح پنجاب میں عربی زبان اور علوم و فنون کو جو فروغ ملا اس سے بھی انکار ممکن نہیں ۔ کیونکہ اس خطہ میں لاکھوں انسان ایسے پیدا ہوئے جو عربی زبان سے واقف تھے اور ہزاروں نے عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم پائی اور پھر ان میں سے کتنے ایسے بھی تھے جو عربی میں اپنی تصانیف یادگار چھوڑ گئے ۔

صدر اول کی اسلامی حکومت کا یہ عام دستور تھا کہ جب کوئی علاقہ اسکے زیر نگیں آتا تو وہ اسمیں ایک طرف تو انتظامی امور کے لئے حاکم مقرر کرتی اور دوسری طرف عوام کی تعلیم و تدریس کے لئے باقاعدہ قرآء ، حفّاظ ، محدثین اور علماء کو بھی اس

علاقے میں متعین کرتی ۔ اس طرح سے حاکم و محکوم میں جو ثقافتی روابط قائم ہوتے وہ دین اور عربی زبان کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنتے ۔

یہی وجہ ہے کہ ۹۲ھ ۔ ۷۱۱ م میں جب مسلمان محمد بن قاسم کی قیادت میں فاتح کی حیثیت سے سندھ میں داخل ہوئے، انھوں نے ملتان کو اپنا دوسرا بڑا مرکز بنایا اور لاہور سے آگے جہلم کی پہاڑیوں تک کا سارا علاقہ سلطنت اسلامیہ کی حدود میں داخل ہو گیا تو یہ علاقہ ہندوستان سے ثقافتی اور لسانی طور پر کٹ کر عملاً حکومت اسلامیہ کا حصہ قرار پایا ۔

لیکن اس سیاسی الحاق سے پہلے بھی زمانہ نامعلوم سے عرب ہندوستان سے واقف تھے اور دنیائے عرب اور ہندوستان کے تجارتی اور ثقافتی روابط بہت ہی قدیم زمانے سے ہیں ۔ حتی کہ قرآن مجید میں بعض ہندی الفاظ کی نشاندہی کی گئی ہے (۲) اس سے بھی آگے سید سلیمان ندوی نے ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کورو اور پانڈو کی لڑائی میں عربی زبان خفیہ بات چیت کا ذریعہ تھی ۔ (۳)

لی بان نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " تمدن عرب " میں لکھا ہے کہ اسلام سے قبل عرب کے تاجر برّی راستے سے پنجاب کے ساتھ تجارت کرتے تھے (۴) جسکی تصدیق چینی سیاحوں کے بیان سے بھی ہوتی ہے ۔

اگرچہ پنجاب ساحل سمندر اور آبی راستوں سے دور واقع تھا اسکے باوجود غالب گمان یہی ہے کہ عربوں کے پنجاب سے تعلقات زمانہ قدیم سے استوار تھے ۔ البتہ براہ راست رسمی اور لسانی روابط

اسوقت استوار ہوئے جب فاتح سندھ محمد بن قاسم اور ان کا جری لشکر لاہور کو ، جو کہ ایک قدیم شہر ہے اور ہمیشہ سے علوم و ثقافت کا مرکز رہا ہے ، عبور کرتا ہوا جہلم کی پہاڑیوں تک جا پہنچا اور یہی سیاسی روابط تاریخی خطہ پنجاب میں عربی زبان و ادب اور دینی علوم کو پہنچانے کا ذریعہ بنے ۔ (۵)

عرب ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے اور وہ اسے ہند اور سندھ لکھتے تھے ۔ گویا عربوں کی رائے میں سندھ مستقل بالذات ایک ملک اور حکومت تھی ۔ عربوں کا قدیم سندھ موجودہ پنجاب کا بڑا حصہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا ۔

سندھ میں عربوں نے جو سیاسی اور ثقافتی مراکز قائم کئیے ان میں الرور ، دیبل اور منصورہ تو موجودہ سندھ میں قائم ہوئے (۶) جبکہ ملتان پنجاب میں ہے اور خضدار بلوچستان کا حصہ قرار پایا ۔ اس حقیقت سے یہ دو امور عیاں ہوتے ہیں، ایک یہ کہ عربوں نے پنجاب میں ملتان کو اپنا سیاسی ، ثقافتی اور علوم و فنون کا مرکز بنایا ، دوسری سچائی یہ معلوم ہوتی ہے کہ پنجاب میں ملتان کو عربی زبان کا پہلا مرکز بننے کا شرف بھی حاصل ہے ۔ عرب ان جملہ مراکز بشمول ملتان میں عربیت اور علوم کے درس و تدریس کا معقول بندوبست رکھتے تھے ۔ (۷)

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سندھ۔ بشمول اکثر حصہ پنجاب-میں عربوں کے دور حکومت میں سرکاری زبان عربی تھی ، کیونکہ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے بعض کتبے جو بھمبور اور دیگر علاقوں سے دریافت ہوئے ہیں ، نیز

ملتان کی قدیم ترین عمارتوں پر کنداں الفاظ ، ان سب سے شہادت ملتی ہے کہ اسوقت تحریر و تقریر کی زبان عربی تھی ۔ اس امر کی تصدیق ابن حوقل (۸) اور مقدسی (۹) نے بھی کی ہے ۔ اور ان کی شہادت کے مطابق چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں منصورہ ، ملتان اور دیبل کے بازاروں میں عربی اور سندھی دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی تھیں ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دو زبانوں کے اختلاط سے تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ عربی اور مقامی بولی یعنی سندھی کے اختلاط سے سرائیکی زبان پیدا ہوئی ہو جو پنجاب کے ایک بڑے حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔ اور پھر سرائیکی زبان کے راستے عربی پنجاب کے دیگر حصوں کی زبان پر اثر انداز ہوئی اور ہندی اور فارسی کے خلط ملط ہو جانے سے پنجاب کی بڑی اور وسیع تر حصے میں بولی ، لکھی و سمجھی جانے والی زبان "پنجابی" نے جنم لیا ہو ۔ کیونکہ سندھی ، سرائیکی اور پنجابی زبان میں عربی زبان کے الفاظ جس کثرت سے ملتے ہیں وہ ہندوستان کی کسی اور زبان میں نہیں ملتے ۔

سندھ چونکہ خلافت اسلامیہ کے مرکز سے کافی دور واقع تھا اسلئے اس میں ضعف اور انتشار پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر تھا ۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں اس انتشار نے انقلاب کی صورت اختیار کر لی اور ملتان میں ایک الگ حکومت قائم ہو گئی، جس کے بعد اگرچہ ملتان اور اسکے زیر اثر علاقوں کا عرب دنیا سے براہ راست رابطہ منقطع ہو گیا

تھا لیکن عربیت کے جس پودے کا بیج اس علاقہ میں بویا گیا تھا ، وہ اب بڑھ کر کافی تن آور درخت بن چکا تھا ۔

خلافت اسلامیہ کے اس عہد میں زیر نظر علاقہ میں عربی زبان اور اسلامی علوم متعارف ہو چکے تھے اور ہمیں یقین ہے کہ مسلمان علماء نے دینی جذبہ اور ملی شعور سے سرشار ہو کر اس علاقہ میں تصنیف و تالیف کی گرانقدر خدمات سر انجام دی ہونگی ۔ لیکن افسوس کہ ان علمی خزینوں تک ہماری رسائی نہ ہو سکی اور دست برد زمانہ سے وہ علمی ذخیرے محفوظ نہ رہ سکے ۔ جیسا کہ چچ نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسکا اصل عربی متن تو ضائع ہو گیا اور ہمارے سامنے اسکا صرف فارسی ترجمہ باقی ہے(۱۰)

اسی طرح دیگر علمی تصانیف بھی ضائع ہوئی ہونگی ۔

اس عہد میں بغداد کو علمی مرکز کا درجہ حاصل تھا ۔ اسلئے ان علاقوں کے بہت سے اہل علم ترک وطن کر کے بغداد میں جا بسے (۱۱) اور انہوں نے وہاں ہندوستانی علوم ، ریاضی ، نجوم ، طب ، فلسفہ اور بلاغت وغیرہ کو متعارف کرایا اور ان علوم و فنون میں اعلی مقام پیدا کیا ۔ پھر علوم و فنون کی خدمت کرنے والوں میں وہ موالی بھی شامل ہیں جو جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ان علاقوں سے لے جائے گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عرب معاشرے میں ضم ہو کر رہ گئے اور سازگار فضا ملنے ہی ان میں بلند پایہ شعراء اور رواۃ حدیث پیدا ہوئے ۔

مختصر یہ کہ اس عہد میں پنجاب نہ صرف عربی ثقافت سے واقف ہو چکا تھا بلکہ اس میں عربی زبان سرکاری زبان کی حیثیت

سے رائج تھی اور جس قدر علوم و فنون اس وقت تک معلوم ہو چکے تھے ان علاقوں میں ان کی اشاعت شروع ہو چکی تھی اور یہاں سے ابتدائی علم حاصل کر کے علماء اعلی تعلیم و تدریس کے لئے بغداد کا رخ کیا کرتے تھے ۔ اور یقیناً جب ایسے اعلی تعلیم یافتہ علماء اپنے علاقوں کو لوٹتے ہوں گے تو ان علاقوں میں علمی چرچے عروج پر ہوتے ہونگے ۔ اسطرح پنجاب و عرب تعلقات قائم ہوئے اور پروان چڑھتے رہے ۔

ان علاقوں کے باشندوں نے عرب حکومت کے ابتدائی مراحل میں ہی مسلمانوں کی ثقافت کو اپنا لیا تھا ۔ انھوں نے عربوں کے رسم و رواج ، عادات ، لباس ، حتٰی کہ ان کی زبان کو جو کہ ازمنۂ وسطٰی میں مہذب دنیا کی بین الاقوامی زبان کا درجہ اختیار کر چکی تھی ، ذریعہ گفتگو بنا لیا تھا ۔ لباس کے بارے میں بھی خاصے اثرات دیکھنے میں آئے تھے ۔ چنانچہ بارھویں صدی عیسوی میں ادریسی سندھ میں آیا تو اس نے لوگوں کو عربوں کی طرح شلوار و قمیص اور بعض علاقوں میں چغہ پہنے ہوئے دیکھا ۔ (۱۲) نیز ملتان اور منصورہ کی رعایا اپنے حکمرانوں کو عربوں کی طرح "امیر" کہہ کر پکارتی تھی لیکن غیر مسلم ان کو "مہاراج" کہتے تھے (۱۳) ۔ گویا فاتح اور مفتوح قوم دونوں ایک دوسرے سے اثر قبول کر رہے تھے ۔

(۲)

پنجاب میں اسلام کی روشنی دو طرف سے آئی اور اسی طرح اسلامی ثقافت ، عربی زبان اور دینی علوم و فنون بھی دونوں

راستوں سے داخل ہوئے ۔ پہلا راستہ سندھ سے ہوتا ہوا پنجاب پہنچتا ہے اور دوسرا راستہ صوبہ سرحد کو عبور کرتا ہوا پنجاب میں داخل ہوتا ہے ۔

چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں غزنویوں نے شمال مغرب سے ہندوستان پر یلغار کی ۔ ۳۵۲ / ۹۶۴ ء میں البتگین غزنی کا حکمران فوت ہوا تو اس کے عہد میں ہندوستان کی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی ۔ اگرچہ غزنی میں اقتدار کے لئے اکھاڑ پچھاڑ جاری رہی تاہم ۳۶۷ ھ ، ۹۷۶ ء میں سبکتگین تخت نشین ہوا اور حکومت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہندوستان (۱۴) کی حدود کی طرف توجہ کی ۔ ان کے مقابلے کے لئے پنجاب کے راجہ جے پال نے لشکر جرار تیار کیا تھا ۔ لمغان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور مصالحت پر لڑائی ختم ہو گئی ۔ جے پال نے پھر سرتابی کی اور ہند کے دیگر راجوں کی مدد سے لڑائی کے لئے لشکر تیار کیا ۔

اس مرتبہ سبکتگین نے اسے شکست فاش دی اور لمغان سے پشاور تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا ۔

سبکتگین کے انتقال کے بعد ۳۸۸ ھ ۔ ۹۹۸ ء میں محمود تخت آرائے غزنی ہوا ۔ ۳۸۹ ھ ۔ ۹۹۹ ء میں اسے خلیفۂ بغداد کی طرف سے خلعت اور " امین السلطنت یمین الدولۃ " کا خطاب ملا ۔ ۳۹۲ ھ ۔ ۱۰۰۱ ء میں محمود برصغیر کی حدود میں داخل ہوا اور اس نے ہندو راجوں کے خلاف مسلسل کئی جنگیں لڑیں ۔ (۱۵)

۴۱۳ ھ ۔ ۱۰۲۲ ء تک محمود نے پنجاب کو سلطنت غزنی کے

ساتھ باقاعدہ ملحق کر لیا تھا اور اب یہ سارا علاقہ بلا واسطہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور شمالی ہند میں لاہور نے ایک اسلامی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ اسے علماء ، صوفیہ اور مبلغین نے اپنا مسکن بنا لیا تھا ، نیز جاگیروں اور ملازمتوں کی خاطر قبیلوں کے قبیلے غزنی ، کابل اور بلخ وغیرہ سے منتقل ہو کر پنجاب میں آباد ہونے لگے تھے ۔ گویا اس طرح سے پنجاب اسلامی ثقافت اور اسلامی علوم و فنون سے روشناس ہونے لگا تھا اور دینی علوم اور عربی زبان سے یہ پنجاب کا دوسرا رابطہ تھا جو ماوراء النہر اور غزنی کے راستہ سے قائم ہوا ۔ یہ رابطہ بعد میں اسقدر اہمیت اختیار کر گیا کہ اس علاقہ کو عراق و شام کی وراثت اور ہم سری زیب دیتی تھی ۔

سلطان محمود خود بڑا علم دوست انسان تھا ۔ سلجوقی اور غوری دور کی تصانیف میں محمود کی علم پروری اور عدل و انصاف پسندی کی بےحد تعریف کی گئی ہے ۔ وہ مذہباً سنّی تھا ۔ اولیاء اور صوفیہ کے ساتھ ساتھ اہل علم کا بڑا ادب کرتا تھا اور علم پھیلانے میں کوشاں رہتا تھا ۔ ابو ریحان البیرونی جیسا عالم اسی کے زیر سایہ تحقیق و جستجوئے علمی کے لئے آفاق میں گھومتا رہا ۔ اس نے نندنہ جہلم میں بیٹھ کر زمین کا قطر معلوم کیا ۔ ابو الفضل، بیہقی ، ابو نصر عتبی اور گردیزی جیسے مورخ اسکے منشی اور سیکرٹری تھے ۔ شمس الکفاۃ احمد بن حسن المیمندی جیسے نابغوں کو اسکی وزارت کا شرف حاصل رہا ۔ (۱۶)

۴۲۱ ھ ۔ ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کا انتقال ہوا تو سلطان

مسعود مسند آرائے سلطنت ہوا ۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح بڑا علم دوست اور عالم نواز شخص تھا ۔ اور خود بھی اعلی درجے کا مصنف تھا ۔ اسطرح یہ سیاسی خاندان علم پروری بھی کرتا رہا ۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں عام طور پر اور پنجاب میں خاص طور پر علمی فضا پیدا ہو گئی ۔ انکے علم دوست رویہ سے پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کو بڑھانے میں بڑی مدد ملی ۔ نیز اسکے بعد عہد غلاماں میں ہلاکو خان اور چنگیز خان کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لوگ ایران ، کابل ، خوارزم ، غور ، خیوا ، کاشغر وغیرہ سے جان بچا کر بھاگے اور برصغیر کے ان علاقوں میں آ کر بس گئے جنھیں آجکل پنجاب کہا جاتا ہے ۔ اسطرح سے اس تاریخی خطہ میں اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان راسخ ہو گئی ۔

(۳)

غزنوی جب پنجاب میں داخل ہوئے تو انکی دفتری زبان عربی تھی ۔ اسکے ساتھ عربی علمی اور ادبی زبان بھی تھی ۔ مسلمانوں کا مرکز دربار خلافت بغداد میں تھا جسکی زبان عربی تھی ۔ مزید یہ کہ اسوقت تک صرف عربی ہی ایک ایسی زبان تھی جو دفتری زبان ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی ۔ اگرچہ غیر عرب ریاستیں وجود میں آچکی تھیں لیکن فارسی یا ترکی زبان کو اس درجہ ترقی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ وہ دفتری زبان بن سکتیں ۔ یہی وجہ تھی کہ محمود کی حکومت کے دور میں دفتری کاروبار عموماً عربی زبان میں ہوتا رہا ۔ محمود غزنوی کا پہلا وزیر ابو العباس فضل بن احمد

اسفرائنی عربی میں مہارت نہیں رکھتا تھا ۔ اُسنے فرامین اور مراسلات فارسی میں لکھوانے شروع کئیے ۔ لیکن مراسلت کا یہ فارسی طریقہ دیرپا ثابت نہ ہوا اور ابو العباس کا عربی کے خلاف تعصب زیادہ دیر تک نہ چل سکا ۔ (١٧) ابو العباس کے بعد خواجہ احمد بن حسن المیمندی وزیر ہوا تو اس نے مراسلات اور فرامین کی زبان پھر سے عربی قرار دے دی ۔ اس سلسلے میں آقائے سعید نفیسی رقم طراز ہیں ۔

" به سبب آنکه در عربیت پیاده و بے ما یه بود ۔ امثله و معاشیر دیوانی و مقدمات و احکام سلطانی را فرموده بپارسی نوشتن ۔ وزیر احمد حسن اشارت گرداند تا برقرار قدیم و قاعده سالف مقدمات بروایت عربی نویسند " ۔ (١٨)

اس طرح سے پنجاب میں عربی زبان کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئیں ۔ ابو العباس نے دوبارہ وزارت عظمٰی کا عہدہ سنبھالا ۔ اسکے دونوں عہدوں کے مابین ٣١٦ ھ ۔ ١٠٢٥ء تا ٤٢٢ھ ۔ ١٠٣٠ء ابو علی حسن بن محمد بن عباس المعروف به " حسنک میکال " وزیراعظم رہا ۔ اسکے دور میں بھی عربی زبان ہی دفتری زبان رہی ۔ سلطان محمود خود عربی زبان کا بلند پایه عالم و فاضل تھا ۔ اسلئے اسکے عہد میں یقینی طور پر عربی زبان کو سرکاری اور دفتری زبان کا درجه حاصل رہا ۔

منصوره کے ساتھ ساتھ ملتان میں شروع سے ہی عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجه حاصل تھا اور غزنویوں کی آمد کے بعد بھی یہی سلسله جاری رہا جسکی شہادت ابن الحوقل کے سفر نامے سے

ملتی ہے ۔ واضح رہے کہ ابن الحوقل نے چوتھی صدی ہجری کے آخری نصف میں ان علاقوں کا سفر کیا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ ملتان اور منصورہ کے لوگ مقامی زبان اور عربی میں گفتگو کرتے تھے ۔ (۱۹) البتہ چوتھی صدی ہجری ختم ہوتے ہوتے ملتان میں دیلمیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو وہاں عربی کی جگہ فارسی نے لینی شروع کر دی تھی ۔

یہ حقیقت ثابت ہونے کے بعد کہ غزنویوں کے ہاں خواجہ ابو الحسن المیمندی سے لے کر ابو بکر بن صالح تک جو لوگ بھی وزارت عظمٰی کے عہدے پر فائز ہوتے رہے وہ سب عربی کے عالم و فاضل تھے اور سب نے عربی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے قائم رکھا ، یہ بات بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے دیوان انشاء اور اسکے صوبوں کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی تھی وہ عربی زبان میں ہی ہوتی تھی اور لاہور جو ہندی محروسہ علاقوں کا دارالحکومت تھا وہاں بھی عربی ہی سرکاری زبان تھی اور مرکزی حکومت کے ساتھ ساری خط و کتابت عربی زبان ہی میں ہوتی تھی ۔

چنانچہ دفتری اصطلاحات میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور ابہام سے بچنے کے لئے عہد غزنوی میں اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا گیا تھا اور اصطلاحات کی ایک طویل فہرست تیار کی گئی تھی جس پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فہرست میں شامل جملہ اصطلاحات عربی ہیں ۔ یہی نہیں کہ فارسی کلمات کی جگہ عربی کلمات تجویز کئے گئے تھے بلکہ بعض اوقات مفہوم کو بیان کرنے کے لئے خود عربی کلمات ہی کے مقابل عربی اصطلاحی کلمات مقرر کئے

گئے تھے ۔ مثلاً عطاء کی جگہ بذل ، حکم کی جگہ قضیہ ، آخر کی جگہ عـقب ، فضـولی کی جگہ تطاول ، صنیعـہ کی جگہ عقار ، مراد کی جگہ فرض ، اور خراج کی جگہ ضریبہ وغیرہ مقرر ہوئے ۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ مطالعہ ہے (۲۰) کہ عہد غزنوی میں عربی زبان کی دفتری اصطلاحات کس طرح متعین ہوئیں ۔

اس بارے میں یقیناً دو آراء نہیں ہو سکتی ہیں کہ غزنوی دور کے خاتمے تک عربی زبان کے زوال کے آثار نمایاں ہو گئے تھے ۔ ابو نصر عتبی نے اپنی تاریخ „ الیمینی " عـربی میں لکھی ۔ جبکہ اس کتاب کی زبان بہت ثکسالی ہے ۔ لیکن ابو الفضل بیہقی نے اپنی مبسوط تاریخ تیس جلدوں میں فارسی میں قلمبند کی ۔ اسی طرح گردیزی نے اپنی "زین الاخبار" بھی فارسی میں تحریر کی ۔

اگرچہ غیر عرب ریاستوں میں غزنویوں کے بعد عربی سرکاری زبان کی حیثیت سے زندہ نہ رہی لیکن علمی اور ادبی میدانوں میں عربی زبان کی جو خدمت غیر عرب یعنی عجمیوں نے کی وہ عربوں کی خدمت سے کہیں زیادہ ہے (۲۱) اسلئے اس خطہ میں عربی علمی اور دینی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گی ۔

پنجاب میں علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب کی باقاعـدہ تدریس کا سلسلہ غزنویوں کے عہد میں قائم ہو گیا تھا ۔ جب محدث اسماعیل (مـتوفی ۴۴۸ ھـ) پہلی بار لاہور میں جلوہ گر ہوئے اور انہوں نے وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا ۔ (۲۲) اور اس کے ساتھ ہی پنجاب میں عربی زبان اور اسلامی ثقافت معیار فضیلت قرار پاگئیں ۔ عربیت اور منقـول کی

باقاعدہ تعلیم بدستور جاری رہی ۔ البتہ مقامی ضروریات کے مطابق کچھ تغیرات ہونے شروع ہو گئے تھے اور عقلی علوم کے ابتدائی مدارج طے ہوتے رہے ۔ عربی زبان کا تدریسی مقام تو برقرار رہا البتہ اس دور میں روز مرہ کی بول چال میں پہلوی زبان کی آمیزش ہونے لگی تھی ۔

عربی اور پہلوی زبانوں کی باہم آمیزش سے جو نئی زبان ابھری وہ " فارسی " کے نام سے متعارف ہوئی ۔ اگرچہ علمی تصانیف میں عربی زبان کا بلند مقام ہمیشہ مسلم رہا ۔ تاہم شعر و شاعری میں فارسی کو فروغ ملنے لگا تھا ۔ لیکن یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ فارسی شاعری کے اوزان ، بحرین ، قافیے ، اصناف سخن ، صنائع بدائع وغیرہ سب کے سب عربی زبان سے مستعار لیئے گئے ہیں (۲۳) ۔ یہی وجہ ہے کہ نظامی گنجوی نے کاتب یا دبیر کے لئے جو نصاب تجویز کیا (۲۴) اس میں قرآن حکیم ، احادیث نبویہ ، آثار صحابہ ، امثال عرب ، کلمات عجم اور مطالعہ کتب سلف کو لازمی قرار دیا ۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خود فارسی ادباء عربی زبان کو کیا مقام دیتے رہے ہیں ۔ نیز عربیت کے تن آور درخت پر فارسیت کی جو بیل چڑھی تھی وہ کس حد تک عربیت کے سہارے کی محتاج تھی ؟ ۔ یہی نہیں تاریخ یمینی کے مصنف کے بقول اس دور میں عربی زبان کو چھوڑ کر فارسی زبان کا استعمال جہل کی علامت تصور کیا جاتا تھا ۔ (۲۵) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں علمی تصنیف و تدریس میں عربی کا مقام بلند رہا جبکہ فارسی محض تاریخ نویسی اور مجلسی آداب تک محدود رہی(۲۶)

جیسے جیسے اسلام پھیلا ، اسکا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اسکے مسائل و ضروریات میں اضافہ ہوتا رہا ، تو مسلمانوں نے نقلی علوم میں بھی اضافہ کیا ۔ چنانچہ کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے تحقیقی مطالعہ سے استنباط احکام کا عمل تدوین فقہ اربعہ کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔یہ ضرورت ساری دنیا میں محسوس کی گئی اور اسکی نشوونما میں دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح پنجاب نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ۔ چنانچہ محمد بن حسن الصاغانی سے لیکر جان محمد لاہوری اور محمد صدیق لاہوری سب اس میدان میں حصہ ڈالتے دکھائی دیتے ہیں ۔ اسکے بعد قضاء کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا تو تدریس میں فقہ کو زیادہ جگہ دی جانے لگی لیکن تفسیر و حدیث کو اپنی خاص حیثیت نیز فقہ کے بنیادی مآخذ ہونے کی بناء پر ترک نہیں کیا گیا ۔

عربیت اور نقلی علوم کے ساتھ تمدن کی وسعت اور تعلقات کی افزائش کے سبب مسلمانوں کو دیگر اجنبی علوم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور عجم کے خاص عقلی علوم و فنون مثلاً منطق ، فلسفہ ، ریاضی اور ہیئت وغیرہ نے بھی نصاب تعلیم میں جگہ پائی ۔ الغرض عربیت جس میں فارسی کی آمیزش تھی ، منقول جس میں فقہ مقصود بالذات بن چکی تھی ، معقول جسکا نیا نیا چرچا ہوا تھا ، ان تینوں کے عَلم اٹھائے غزنوی سپاہ اور اہل علم لاہور میں داخل ہوئے اور پھر یہیں سے روشنی لیکر غوری ، اجمیر اور دھلی گئے ، اور یہیں سے یہ روایت حدیث پورے برصغیر میں پھیلی ۔

اس عظیم خطه میں درس و تدریس کو همیشه بلند مقام حاصل رها ۔ چنانچه غیـاث الدین بلبن کے عهد میں جو علماء اس مقدس پیشه سے وابسته تهے وه سبهی فقه ، اصول فقه اور عربیت کے ماهر مانے جاتے تهے ۔ (۲۷) مزید یه معلوم هوتا هے که ساتویں صدی هجری تیرهویں صدی عیسوی میں فقـه ، اصول فقـه اور عربیت کو غلبه حاصل هو چکا تها ۔ اگرچه عقلی علوم شامل نصاب رهے لیکن ان کی چنداں حیثیت نهیں تهی ۔ فقه کے ذوق و شـوق کا اندازه اس امـر سے لگایا جـا سکتا هے که فقه کی مشهور کتاب " هدایه " برهان الدین محمود بن ابی الخیر المـرغینانی (م ۶۸۸ هـ ۔ ۱۲۷۹ ع) کے ذریعے هندوستان آئی اور پهر یهاں کی علمی فضا پر اسطرح چهائی که سارے معاشرے کو حنفی بنا کر رکهدیا ۔

الثقافة الاسلامیه فی الهند (۲۸) کے مصنف کے مطابق آٹهویں صدی هجری چـودهویں صدی عیسوی میں محمد بن تغلق نے عقلی علوم کی سرپرستی میں اضافه کیا اور اگلی صدی میں پنجاب کے مشهور معقولی علماء شیخ عبدالله تلنبی اور عزیزالله تلنبی (۲۹) نے اس علم کو بام عروج پر پهنچا دیا ۔ تاهم عربیت اور فقه و اصـول فقه کی حیثیت مسلم رهی ۔

البته نویں صدی هجری ۔ پندرهویں صدی عیسوی کے آغاز تک یه آثار دکهائی دینے لگے تهے که معقول کے مقابلے میں منقـول کی حیثیت کم هوتی جا رهی هے کیونکه ساتویں صدی کے مشهور پنجابی عالم محمد بن حسن الصاغانی (۶۵۰ هـ ۔ ۱۲۵۲ م) کی " مشارق الانوار " کے علاوه اس دور میں حدیث کی کوئی اور کتاب شامل

درس دکھائی نہیں دیتی اور اگر کوئی شخص اس میدان میں بہت ھی ترقی کرتا تھا تو بغوی کی " مصابیح السنة " پر اکتفا کر لیتا(۳۰)

لیکن نویں صدی ھجری میں حدیث کا مقام اس سے بھی گھٹ کر رہ گیا جب وہ صرف برکت کے حصول کے لئے پڑھی جاتی تھی نہ کہ قانونی ماخذ اور کلید کی حیثیت سے ۔ جیسا کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے الفاظ میں (۳۱) " علی طریقة البرکة لا للعمل به " ، "حدیث صرف برکت کے حصول کے لئے پڑھی جاتی نہ کہ اس پر عمل کرنے کے لئے " ۔ اس کے بعد تیار شدہ فقہ پر بھروسہ کا دور دورہ ھوا اور اس دور میں فقہ کے بنیادی مأخذ حدیث نبوی کی طرف توجہ کم سے کم ھوتی گئی ، اگرچہ اب تک عربیت کی حیثیت برقرار رھی ، لیکن دسویں صدی ھجری میں فارسی کو علمی دنیا میں کچھ نہ کچھ جگہ مل چکی تھی اور عربی کے ابتدائی قواعد اور فقہ کی ابتدائی کتب فارسی میں دستیاب ھو کر شامل درس ھو گئی تھیں ۔

اس دور میں بھی تعلیم و تدریس میں عربی زبان کو پہلا اور فارسی زبان کو دوسرا درجہ حاصل رھا (۳۲) ۔ حتی کہ اس دور میں پنجاب کے مشہور ادیب اور مصنف و مفسر ابو الفیض فیضی (۱۰۰۴ھ) نے بےنقط تفسیر ، " سوا طع الالھام " لکھ کر عربی زبان کا مقام ھندوستان اور پنجاب کی جملہ زبانوں میں بلند کر دیا اور عربیت کو نہ صرف اپنا مقام قائم رکھنے بلکہ اسے بلند کرنے میں خاصی مدد بہم پہنچائی ۔ لیکن اس دور میں عربی زبان کا ایک طرف فارسی سے مقابلہ تھا تو دوسری طرف ترکی اور سنسکرت وغیرہ

بھی اسکے مقابلے میں کھڑی دکھائی دیتی تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ معقولات ، فلکیات اور ریاضیات جیسے سیکولر علوم بھی یلغار کر رہے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے عہد میں درس و تدریس کے نظام ھی میں تبدیلی آ رہی تھی اور وہ ایک نئی شکل اختیار کر رہا تھا ۔ (۳۳) .

اس دور میں اس خطۂ ارضی میں شیخ عبدالحق ، شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرھندی جیسے اصحاب علم و فکر اور عمل کے پیکروں نے لوگوں کے ذھن و عقل کو اسلام کی صحیح اور سچی تعبیر سے واقف کیا جسکے اثرات براہ راست پنجاب پر بھی مرتب ھوئے اور عربیت اور معقولات کو پھر سے فروغ ملنے لگا اور مولانا نظام الدین سہالوی (۱۱۶۱ ـ ۱۷۴۸) نے ایک نصاب مرتب کیا جو „ درس نظامی “ کے نام سے مشہور ھوا جو وقت کے تقاضوں کے پیش نظر نہایت متوازن تھا ۔ وہ نصاب گیارہ مضامین پر مشتمل تھا (۳۴) جس میں معقولات ، منقولات ، عربیہ اور ھر طرح کے علوم و فنون کو مناسب جگہ دی گئی تھی ۔ یہ درس نظامی نہ صرف پورے ھندوستان میں رائج ھوا بلکہ اسکے فیض یافتہ دنیا کے اکثر خطوں میں اب تک دین کی خدمت میں مصروف نظر آتے ھیں ۔ یہی نصاب پنجاب کے جملہ علاقوں اور مدارس میں زیر تدریس آیا ۔ اور اسکے بعد کے اکثر علماء نے اپنی تصانیف کا دائرہ نصابی کتب کی شروح و حواشی لکھنے تک محدود رکھا ۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک درس نظامی بعض ترامیم کے ساتھ پورے پنجاب میں رائج رھا البتہ اسمیں صرف و نحو پر زیادہ زور دیا جانے لگا تھا ۔ جبکہ

عربی ادب کی مقدار کم ہو گئی تھی ۔ اسی طـرح کلام ، حکمت ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی لیکن تفسیر اور حدیث کو ان کا صحیح مقام حاصل نہ رہا ۔ البتہ دارالعلوم دیوبند کے قیـام کے بعد سے اس خطہ میں دورہ حدیث کا رواج ہـوا ۔ جس کے تحت طالب عـلم صحاح ستہ پڑھ تو لیتا لیکن ان کے مطالب سے واجبی سا واقف ہوتا تھا ۔ (۳۵) ۔

اس سارے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آمد سے لیکر قیام پاکستان تک عربی کا کیـا مقـام رہا ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گیارہ بارہ صدیوں پر پھیلے ہوئے اس طویل عرصہ میں جو بھی سیاسی اور اجتماعی تغیرات رونما ہوئے ، بیرونی یا اندرونی جو بھی اثرات فضـا میں ابھرے وہ عربی زبان و دینی علوم کی مسلمہ حیثیت پر اثر انداز نہ ہو سکے اور یہ ہر دور میں بدستور علم ، فضیلت اور ثقافت کی علامت بنے رہے اور ہر عہد میں علـم کے حصول کے لئے عربیت بنیادی شرط رہی اور خاص طور پر جہاں دینی علوم ہونگے وہاں عربیت ناگزیر ہے ۔ تفسیر ، حدیث ، فقہ اور اصول فقہ تک رسائی عربیت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے ۔ نیز تصوف اور دیگر علوم پر ملکہ کا حصول بھی عربیت کے بغیر متصور نہیں کیا جا سکتا ۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اتنـی طویل مدت میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا کہ عـربی زبان پر عبور حاصل کئے بغیر کوئی شخص عالم ، فاضل ، مصنف یا تعلیم یافتہ کہلا سکے ۔ اور البیرونی کے عقیدے کے مطابق بنے بنائے قصـر

کی کلید (عربیہ) ہاتھ میں ہوتے ہوئے نئے مکان کی تعمیر حالات اور عقل دونوں کے تقاضوں کے منافی ہے (۳۶) یعنی عربیت کو چھوڑ کر مقامی زبانوں میں لکھنا اپنے کو محدود کرنے کے مترادف ہے - اسیطرح شعوبیہ تحریک سے لیکر قومیت کی جدید تحریکوں تک مسلم اقوام میں عربوں کے خلاف سیاسی جذبہ رقابت تو ابھرا لیکن عربی زبان کے خلاف کم ہی آواز بلند ہوئی - پنجاب کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غزنویوں کے بعد اگرچہ یہاں کی سرکاری زبان عربی نہ رہی لیکن دینی اور ثقافتی زبان کی حیثیت سے اسے ہمیشہ بلند مرتبہ حاصل رہا اور جو فاضل مصنف مقامی حدود سے نکل کر اپنی بات پورے عالم اسلام میں پہچانے کا داعی ہوتا تھا وہ صرف عربی زبان کو ہی ذریعہ اظہار بناتا تھا - ایسا کرتے وقت بھی عربیت کا دینی اور لسانی پہلو پیش نظر رہتا تھا۔

ہم جس خطہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں اسکا تعلق عربیہ کے ساتھ دو ذریعوں اور راستوں سے ہوا - پنجاب عربی زبان سے پہلی بار سندھ کے راستے سے متعارف ہوا - یہ وہ وقت تھا جب اہل عرب میں تصنیف و تالیف کا رواج بہت ہی محدود تھا - اور وہ زیادہ تر قوت حافظہ پر اعتماد کرتے تھے - لہذا اس دور کی تصانیف تک ہماری رسائی نہیں ہوئی - اسلئے ان کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں -

پنجاب عربیت اور اسلامی علوم سے دوسرے طریقے سے اسوقت واقف ہوا جب غزنوی موجودہ افغانستان اور پاکستان کے صوبہ سرحد سے ہوتے ہوئے پنجاب آئے اور اپنے ساتھ بہت سے علماء اور

فضـــلاء کو لائے ۔ اور جب اس خطه میں تصنیف و تالیف کے لئے حالات سازگار ہوئے تو بیشتر عـــلوم و فنون کی تنقیح و تہذیب ہو چکی تھی اور خاص کر منقولات میں ترقی و اضافه کی گنجـــائش بہت ہی کـــم باقی تھـــی ۔ اسلئے صـــرف جمع و ترتیب اور بیان و شرح میں ترقی و اضافه کی قابلیت کے جوہر دکھـائے جا سکے ۔ چنانچه اس سلسلے مـــیں الصاغانی نے بہت ہی عمده کام کیا اور „مشارق الانوار ،، جیسی بلند پایه کتاب عـــلم حدیث میںترتیب دی اور جسکی وجه سے پنجاب کے خطے کو علمی حلقوں اور طلبائے حدیث میں شہرۂ دوام مـــلا ۔ نیز الصاغانی نے موضوع احادیث کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس سلسلے میں „ درالملتقط فی تبیین الغلط ،، کے نام سے ایک قابل قـــدر کوشش کی ۔ فیضی اور دیگر بہت سے عـــلماء نے قرآنی تفاسیر لکھیں ۔ پھر فقه میں حکومتی ضرورتوں کے پیش نظر عہد عالمگیر میں„فتاوی عالمگیری ،، مرتب ہوا تو مولانا محمد اکرم لاہوری نے اسمیں بھر پور حصه لیا ۔ اور بیان کیا جاتا ہے که اس „ فتاویٰ ،، کی ترتیب میں ایک چوتھائی حصه کام کی انھوں نے نگرانی کی ۔

یه امر ملحوظ رہنا چاہئیے که نظام تعلیم میں کتب درسیه کو غیر معمولی اہمیت اور مرکزیت حاصل رہی ہے ۔ پچھلے زمـــانے میں عـــلماء کا کمال یه سمجھا جاتا تھا که انکی لکھی ہوئی درسی کتب مختصر اور حد درجه جامع ہوں ۔ استاد کو ایسی کتابیں پڑھاتے وقت شرح و بسط سے تقـــریر کرنا ہوتی تھـــی جس کی بدولت نصاب میں شامل کـــتابوں کی شروح مـــرتب ہوئیں ۔ اور حـــواشی وغـــیره

بھی لکھے جانے لگے ۔ پنجاب کے علماء کا بھی یہی حال رہا ۔ انھوں نے اس میدان میں بہت سے کمالات دکھائے ۔ اور اساسی کتب کی شروح اور حواشی لکھے ۔ اس ضمن میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شروح خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اسی طرح شیخ ابو یوسف ، محمد یعقوب البناتی اللاہوری کی کتبی حدیث و فقہ کی شروح سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ جن کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا معیار ایران ، خراسان ، نیز عرب ممالک میں تصنیف شدہ کتب سے کسی طور بھی کم نہیں ، یہ کتابیں آج بھی مقبول ہیں اور متعلقہ موضوعات پر تحقیق کرتے وقت ان کتب سے استفادہ کئیے بغیر نہ تو تحقیقی کام مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی تاریخی تسلسل قائم رہ سکتا ہے ۔ ان کتابوں کی حیثیت اسی طرح مسلم ہے جیسے کسی عرب مصنف کی کتاب کی ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ یہ حیثیت فکری اور علمی میدان میں ہی ہو سکتی ہے جبکہ لسانی پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے ۔ لہذا جمع و ترتیب اور بحث و تدقیق کے میدان میں جو کام ہوئے وہ کسی بھی لحاظ سے کم درجہ کے نہیں ہیں ۔

ممکن ہے یہاں یہ نکتہ اٹھایا جائے کہ پنجاب میں ہونے والا کام مقدار میں بہت کم معلوم ہوتا ہے تو اسکے جواب میں کئی باتیں کہی جا سکتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ پنجاب کے علاقوں میں ابتدائی دور میں جو کام ہوا ہے وہ ہم تک پہنچا ہی نہیں کیونکہ وہ ابھی تک متعارف نہیں ہوا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ پنجاب ہندوستان میں اسلامی حکومت کے مرکز دھلی سے خاصا دور واقع تھا ۔

اسلئے جو پذیرائی دھلی کے علماء کو حاصل ھوئی وہ پنجاب کے علماء کو میسر نہ آسکی ۔ جسکی وجہ سے پنجاب سے بہت سے اھل علم ترک وطن کر کے دھلی چلے گئے اور پھر ھمیشہ کے لئے وھیں کے ھو رھے ۔ اسکے علاوہ پنجاب پر سکھوں نے بھی طویل عرصے تک حکومت کی ھے ۔ اس دور میں پنجاب کے مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے گئے اس سے بخوبی اندازہ ھوتا ھے کہ مسلمانوں کے علوم اور کتابوں پر کیا بیتی ھو گی ؟ ۔ اور ان کی علمی میراث کو مٹانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا گیا ھو گا ؟ ۔

اس خطہ میں علم کی جو بھی خدمت ھوئی وہ باھر کی دنیا پر عیاں نہ ھو سکی ۔ ۔ اسکی بڑی وجہ یہ ھے کہ اس علاقے کے بارے میں جو بھی تذکرے لکھے گئے ان میں پنجاب کے علماء کو مناسب مقام نہ مل سکا اور ان کی علمی خدمات کو متعارف نہ کرایا گیا ۔

سب سے بڑی بات یہ ھے کہ اھل علم کی یہ روایت رھی ھے کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے ۔ اور وہ کنج عافیت میں بیٹھ کر علمی جواھر پارے تصنیف کرتے تھے جو یا تو ان کی وفات کے بعد وھیں ضائع ھو جاتے تھے یا اگر دست برد زمانہ سے بچ جاتے تو خاندانی وراثت قرار پاتے اور طاقوں میں سجے رھتے اور انکی طباعت کی کبھی نوبت نہ آتی ۔ آج بھی اگر پورے پنجاب کا علمی جائزہ لیا جائے تو ایسی ھزاروں کتابیں ملیں گی جن سے ابھی تک علمی دنیا روشناس نہیں ھو سکی ھے ۔

ھم اپنی اس گفتگو کو صاحب تاریخ مخزن پنجاب کے ان الفاظ پر ختم کرتے ھیں ۔ " مسلمان بادشاھوں کے وقت میں عربی و فارسی

عــلم کو بہت ترقی ہوئی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو پڑھائی جاتی تھیں ۔ » (۳۷)

حواشی و حوالہ جات ۔

۱ ۔ رشید اختر ندوی ۔ مغربی پاکستان کی تاریخ لاہور ، مرکزی اردو بورڈ ۱۹٦۵ ، ص ٦۵

۲ ۔ بحوالہ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند ، ج ۲ ، ص ۱ ۔

۳ ۔ ندوی ، سید سلیمان عرب و ہند کے تعلقات احمد آباد ، ہندوستانی اکادمی ۱۹۳۰ ، ص ۱۰ ۔ ۱۱

۴ ۔ لی بان ، تمدن عرب (ترجمہ سید علی بلگرامی) آگرہ ، مطبع مفید عام ، ۱۸۹۸ء ص ۵۰۳ ،

۵ ۔ اشفاق سلیم میرزا (مدیر) سہ ماہی « ثقافت » (اسلام آباد) ج ۱ ، ش ۲ فرید الدین شیرکوٹی ص ٦۱

٦ ۔ حامد محمود (مدیر) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند لاہور جامعہ پنجاب ، ج ۲ ، ص ۳ ۔

۷ ۔ عربیت یہ لفظ اپنے وسیع تر مفہـــوم مـیں استعمال کیا گیا ہے ۔ جس سے مراد عربی زبان کے ساتھ ساتھ عربی ثقافت اور عرب تعلقات وغیرہ ہیں. عربوں سے علوم کے علاوہ جو کچھ دنیا کے اس خطہ میں منتقل ہوا اس اصطلاح سے وہ سبھی کچھ مراد ہے ۔ جبکہ علوم کا تذکرہ علیحدہ بھی ہوتا رہے گا ۔

۸ ۔ ابن حوقل ، کتاب صورۃ الارض ، لائیڈن مطبع بریل ۱۹۳۸ (دوسرا ایڈیشن) ص ۳۲۵ ۔

۹ ۔ مقدسی-احسن التقاسیم ، لائیڈن ، ۱۹٦ ص ۴۷۹ .

۱۰ ۔ الکوفی علی بن حامد بن ابی بکر چچ نامہ ، (فتح نامہ سند) اسلام آباد ، ادارہ تاریخ و ثقافت ۱۹۸۳ ، ص ۸ ۔

۱۱ ۔ البیرونی ، کتاب الہند کتاب البیرونی تحقیق مالہند ، حیدر آباد ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۷ ھ ص ۳۸

۱۲ ۔ بحوالہ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند ، ج ۲ ، ص ۳۷ ۔

۱۳ ۔ عتبی ، تاریخ یمینی لاہور ، مطبع نامی ، بغیر تاریخ ، ص ۱۳۳

۱۴ عتبی تاریخ یمینی ۔ لاہور مطبع نامی پریس ص ۷ ۔ ۱۲ ۔ ۳۵ ۔

۱۵ ۔ عتبی ، تاریخ یمینی مطبع نامی پریس ، ص ۱۳۳

۱٦ ۔ سلطنت غزنویاں (استاذ خلیلی) ص ۲۸۴ ۔ ۲۸٦ ۔

۱۷ ۔ سلطنت عزنویاں ۔ ص ۲۸۴

۱۸ ۔ در پیر امون تاریخ بیہقی ۔ ص ۱۳۱ ۔ ۱۳۲ ۔

۱۹ ۔ ندوی ، ابو ظفر تاریخ سندھ اعظم گڑھ ، ندوۃ المصنفین ، ۱۳٦٦ ھ

۲۰ ۔ تفاصیل کے لئے دیکھئے ۔

(الف) علی اصغر پارسی نغــز (ب) در پیر امون تاریخ بیہقی ۱۰۰۵ ۔ ۱۰۱۳

(ج) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند ، ج ۲ ، ص ٧٠ ـ ٧٦ ـ

۲۱ ـ ابن خلدون نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ھے ـ اسکے اپنے الفاظ یہ ھیں ـ " من الغریب الواقع جملة علوم فی الملة الاسلامیة اکثرھم العجم لا من العلوم الشرعیه ولا من العلوم العقلیه الا فی القلیل النادر " ـ ((مقدمه ـ ٥٤٣ طبع مصر)

India , s Contribution to the study of Hadith Literature
Dakka , Dakka University , 1956 .

۲۲ ـ ڈاکٹر محمد اسحاق ، ص ۳٥ ـ ۳٦

۲۳ ـ تفاصیل کے لیے دیکھئے شبلی کی " شعرالعجم " اور ڈاکٹر داؤد پوتا کی تصنیف " عربی زبان کے فارسی پر اثرات " ـ

۲٤ ـ چہار مقاله (تحقیق ڈاکٹر معین) ص ۲۲ (تہران تیسرا ایڈیشن)

۲٥ ـ تاریخ یمینی ـ ص ١٧٠

Contribution of Sub – Continent to Arabic Literature
Lahore , Sheikh Muhammad Ashraf .

۲٦ ـ زبیر احمد ، ص ۳٥ ـ ۳٦ ـ

۲٧ ـ عبدالحئی رائے بریلوی نزھة الخواطر وبھجة السامع و النواظر ـ کراچی ـ نور محمد اصبح المطابع ، ١٩٧٦ م ج ١ (المئة السابعة)

۲۸ عبدالحئی رائے بریلوی ، الثقافة الاسلامیه فی الہند ، دمشق ١٩٥٨ ـ ص ١۳ ـ ١۳

۲۹ ـ تُلَنبه ، تاءکی زبر ، لام کی پیش نون ساکن ، باءکی زیر اور آخری ھاء ساکن ، یه اس چھوٹے سے قصبے کا تلفظ ھے جو ضلع ملتان میں واقع ھے ـ اب بھی اسی نام سے پہچانا جاتا ھے ـ مذکورہ دونوں بھائیوں کی بدولت اس قصبه کو اسلامی دنیا میں شہرت دوام ملی ـ

۳٠ ـ ڈاکٹر محمد اسحاق مطالعه حدیث میں ھندوستان کا حصه ـ ڈھاکه ، ڈھاکه یونیورسٹی ١٩٥٦ ـ ص ٧٥ ـ ٧٦

۳١ ـ عبدالحی رائے بریلوی الثقافه الاسلامیه فی الہند دمشق ١٩٥٦ ـ ص ١۳ Law — N . N
Prmotion of Learning in India during Mohammedan Rule
London . 1961

۳۲ ـ اس کتاب میں مختلف مقامات پر اس مفہوم کی عبارت درج ھے ـ

۳۳ ـ ابو الفضل العلامی ، آئین اکبری لکھنو ، مطبع نول کشور ١٨٨۲ ـ ص ۲٠۲

۳٤ ـ ندوی ، مولوی ابو الحسنات ، " ھندوستان کی قدیمی اسلامی درسگاھیں لاھور ، مکتبه خاور ، ١٩٧٩ " ـ ص ٩٧ ـ ٩٨

۳٥ ـ اس اصطلاح سے عام طور پر حدیث نبوی کی چھ مشہور کتب ـ صحیح بخاری ـ صحیح مسلم ـ سنن ابی داؤد ـ سنن نسائی ـ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجه مراد لی جاتی ھیں ـ

۳٦ ـ ظہر الاسلام (قاھرہ ، ١٩٦۲) ج ـ ١ ـ ص ۲٨٩

۳٧ غلام سرور لاھوری مفتی ، تاریخ مخزن پنجاب لاھور ١٨٨٧ ـ ص ١۲